

'عذابِ دانش' اور 'زوالِ آدمِ خاکی' میں مابعد نوآبادیاتی فکر اور تہذیبی زوال کا بیانیہ: ایک تقابلی تنقیدی مطالعہ

جمیل حسین انصاری¹، پروفیسر سید صلاح الدین²

¹ ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو، آرنی یونیورسٹی، انڈورا، کانگڑا (ہماچل پردیش)، بھارت
² ایسوسی ایٹ پروفیسر و نگران، شعبہ اردو، آرنی یونیورسٹی، انڈورا، کانگڑا (ہماچل پردیش)، بھارت

خلاصہ (Abstract)

اردو ادب کی دو اعلیٰ ترین تخلیقات — شمس الرحمن فاروقی کا 'عذابِ دانش' اور انتظار حسین کا 'زوالِ آدمِ خاکی' — ہندوستانی تہذیب کے زوال، نوآبادیاتی صدمے، اور ثقافتی یادداشت کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ یہ مقالہ ان دونوں ناولوں کا تقابلی تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے، جس میں مابعد نوآبادیاتی نظریہ (ایڈورڈ سعید، ہومی بابا، گائتری اسپیواک)، تہذیبی زوال کا فلسفہ (ابن خلدون، ٹانینی)، اور ثقافتی یادداشت کا تعارف (یان اسمان، موریس ہالبواکس) کو نظریاتی بنیاد کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فاروقی مغل-اودھ تہذیب کی شاہانہ روایت کو فکشن کے ذریعے از سر نو زندہ کرتے ہیں، جبکہ انتظار حسین تقسیم ہند کے بعد کی روحانی بے دخلی اور وجودی بحران کو بیان کرتے ہیں۔ دونوں مصنفین اردو فکشن کو ایک ایسی جگہ میں تبدیل کرتے ہیں جہاں مستقبل کی نوآبادیاتی حمایت کے خلاف ثقافتی یادداشت کو محفوظ کیا جا سکے۔ [1]، [2]، [3]، [4]، [5]

کلیدی الفاظ: مابعد نوآبادیات، تہذیبی زوال، عذابِ دانش، زوالِ آدمِ خاکی، شمس الرحمن فاروقی، انتظار حسین، ثقافتی یادداشت، مغل تہذیب، اردو ناول، شناختی بحران

۱. تعارف

اردو ادب کی تاریخ میں کچھ ایسی تخلیقات ہیں جو محض ادبی کارنامے نہیں — بلکہ وہ ایک پوری تہذیب کی حفاظت کا کام کرتی ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی کا 'عذابِ دانش' (۲۰۰۰ء) اور انتظار حسین کا 'زوالِ آدمِ خاکی' (ردّ تحریر: ۱۹۸۶-۲۰۰۵ء) انہی تخلیقات میں سے ہیں [1]، [2]۔ یہ دونوں ناول ایک بنیادی سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں: جب ایک تہذیب کو زبردستی ختم کیا جائے، تو اس کی یادداشت کو کیسے محفوظ کیا جا سکتا ہے؟

یہ سوال محض ادبی نہیں — بلکہ سیاسی اور فلسفیانہ بھی ہے۔ ایڈورڈ سعید نے 'اورینٹلزم' (۱۹۷۸ء) میں دکھایا کہ کس طرح مغرب نے مشرق کی شناخت کو اپنے نظریے سے تبدیل کیا [3]۔ ہومی بابا نے 'دی لوکیشن آف کلچر' (۱۹۹۴ء) میں یہ استقلال کیا کہ نوآبادیاتی محکوم اقوام 'ہائبرڈ' شناختیں بناتی ہیں — نہ پوری طرح اپنی اصلی، نہ پوری طرح نوآبادکار کی [4]۔ گائتری اسپیواک نے 'کیا مادون بول سکتا ہے؟' (۱۹۸۸ء) میں ان آوازوں کی تلاش کی جو نوآبادیاتی ڈسکورس نے دبا دی تھیں [5]۔ ان تمام نظریات کا عکس فاروقی اور انتظار حسین کی تخلیقات میں ملتا ہے۔

اردو تنقید میں 'عذابِ دانش' کو ایک انقلابی کارنامے کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ گوپی چند نارنگ نے اسے اردو کا سب سے اعلیٰ ناول قرار دیا [6]۔ وارث علوی نے اس کی داستانگوئی روایت کے ساتھ رشتے کو نمایاں کیا [7]۔ شمیم حنفی نے انتظار حسین کے بیانیے میں اساطیری اور روحانی ابعاد کی نشاندہی کی [8]۔ مگر اب تک ان دونوں ناولوں کا باقاعدہ تقابلی جائزہ مابعد نوآبادیاتی تناظر میں نہیں کیا گیا — یہ خلائی اس تحقیق کی بنیاد ہے [9]، [10]۔

فاروقی نے 'عذابِ دانش' میں انیسویں صدی کے لکھنؤ کو اس قدر زندہ کیا ہے کہ قاری کو لگتا ہے جیسے وہ وقت کی سرنگ سے گزر کر اُس دور میں پہنچ گیا ہو [1]، [11]۔ انتظار حسین کا موضوع اتنا مختلف ہے جتنا لکھنؤ لاہور سے — اُن کے یہاں تقسیم ہند کے بعد کی روحانی بے وطنی اور شناختی تنزل ہے [2]، [12]۔ مگر دونوں میں ایک بنیادی اشتراک ہے: دونوں مستشرقین کے اُن بیان (نوآبادیاتی بیانیے) کا ردّ عمل ہیں، اور دونوں اپنے اپنے طریقے سے تہذیبی یادداشت کو محفوظ کرتے ہیں [13]، [14]۔

اس مقالے کا مقصد تین سوالات کا جواب دینا ہے۔ اول، دونوں ناولوں میں تہذیبی زوال کا بیانیہ کس طرح مختلف ہے؟ دوم، ہر مصنف نوآبادیاتی صدمے کا جواب کس ادبی ہتھیار سے دیتا ہے؟ سوم، ان ناولوں میں ڈی کولونیل تصور کی کیا شکل ہے؟ [15]، [16]

۲. نظریاتی بنیاد

۲.۱ مابعد نوآبادیاتی نظریہ اور اردو ادب

مابعد نوآبادیاتی نظریہ اُن اقوام کے ادب کا مطالعہ کرتا ہے جنہوں نے نوآبادیاتی تجربے سے گزرا ہے [3]، [4]۔ سعید کا نظریہ اس بات پر مبنی ہے کہ مغرب نے مشرق کی ایسی تصویر بنائی جو مشرق کی اصلیت سے بالکل مختلف تھی — ایک 'اورینٹ' جسے وہ قابو

میں رکھ سکے [3]، [17]۔ بابا اس میں 'میمکری' کا تصور جوڑتے ہیں — محکوم قوموں کی وہ کوشش جس میں وہ حاکم کی نقل کرتے ہیں مگر کبھی پوری طرح نقل نہیں ہو پاتے [4]۔

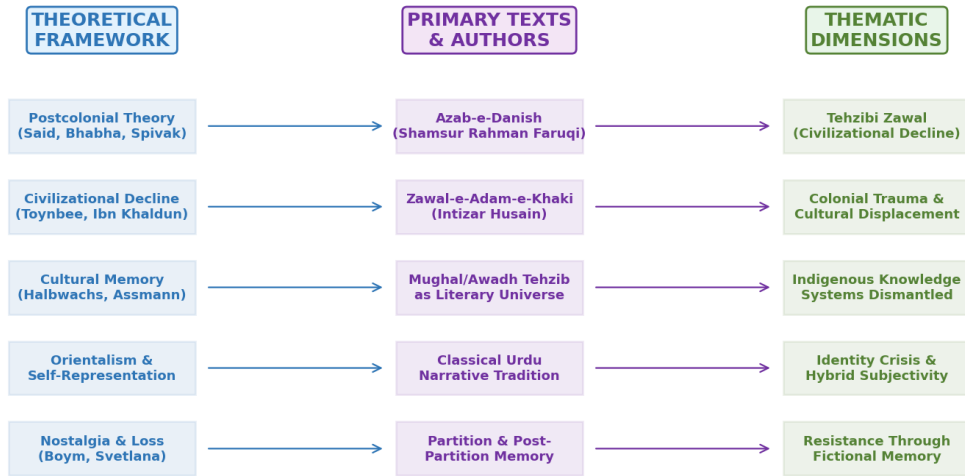
اردو ادب کا مابعد نوآبادیاتی مطالعہ اب تک محدود رہا ہے [9]۔ زیادہ تر تنقید یا تو ترقی پسند تحریک کے حوالے سے ہوتی ہے، یا جدیدیت کے۔ مگر فاروقی اور انتظار حسین کی تخلیقات اُن سے آگے جا کر ایک ایسی جگہ بناتی ہیں جہاں تہذیب کی بازیابی ہی اصل ضدِ نوآبادیاتی عمل ہے [1]، [2]، [18]۔

۲.۲ تہذیبی زوال کا فلسفہ: ابنِ خلدون سے ثنائی تک

تہذیبوں کے عروج اور زوال کا فلسفہ ابنِ خلدون کی 'مقدمہ' (۱۳۷۷ء) سے شروع ہوتا ہے، جس میں انہوں نے 'عصبیت' (سُؤبی یکجہتی) کے کمزور ہونے کو تہذیبی تنزل کی بنیادی وجہ قرار دیا [19]۔ آرئلڈ ٹاننہی نے 'اے اسٹڈی آف ہسٹری' میں دکھایا کہ تہذیبیں تب مرنا شروع کرتی ہیں جب اُن کی 'تخلیقی اقلیت' ایک 'غالب اقلیت' میں بدل جائے [20]۔

دونوں ناولوں میں یہ عمل صاف نظر آتا ہے۔ فاروقی کے لکھنؤ میں نوابی دربار کی تخلیقی طاقت دھیرے دھیرے ختم ہو رہی ہے — انگریز ریزیڈنٹ کی موجودگی میں ثقافت ایک تماشا بن کر رہ جاتی ہے [1]، [11]۔ انتظار حسین کے کردار تقسیم کے بعد اپنی 'عصبیت' کھو چکے ہیں — وہ نہ پاکستان کے ہیں نہ ہندوستان کے [2]، [21]۔

POSTCOLONIAL CRITIQUE & CIVILIZATIONAL DECLINE IN URDU FICTION



INTERSECTION: Colonialism + Tehzibi Zawal + Fiction = Postcolonial Urdu Literary Identity

CRITICAL BASE: Postcolonialism (Said/Bhabha) | Tehzibi Tanqeed (Faruqi) | Cultural Memory (Assmann)

URDU CRITICS: Shamsur Rahman Faruqi | Gopi Chand Narang | Waris Alvi | Shamim Hanfi

شکل ۱: نظریاتی دائرہ کار — مابعد نوآبادیاتی تنقید، تہذیبی زوال، اور اردو فکشن۔ یہ خاکہ تین ستونوں میں نظریاتی بنیادیں (سعید، بابا، ابنِ خلدون)، بنیادی متن (فاروقی اور انتظار حسین کی تخلیقات)، اور موضوعاتی ابعاد (تہذیبی زوال سے لے کر ثقافتی مزاحمت تک) کو جوڑتا ہے۔

۲.۳ ثقافتی یادداشت اور ادب

یان اسمان کا 'کلچرل میموری' (۲۰۱۱ء) کا نظریہ کہتا ہے کہ ہر قومی ثقافت اپنی یادداشت کو کچھ خاص بیانیوں، رسم و رواج، اور ادبی تخلیقات کے ذریعے زندہ رکھتی ہے [22]۔ مورس بالبوآکس نے 'اجتماعی یادداشت' کا تعارف دیا — یہ وہ یادداشت ہے جو کسی گروہ کی مشترکہ ملکیت ہوتی ہے [23]۔ سویٹلانا بوئم نے 'نوسٹالجیا' کی دو قسمیں بتائیں — 'بحالی کی نوسٹالجیا' (جو ماضی کو واپس لانا چاہتی ہے) اور 'تاملاتی نوسٹالجیا' (جو ماضی پر غور کرتی ہے بغیر واپسی کی خواہش کے) [24]۔

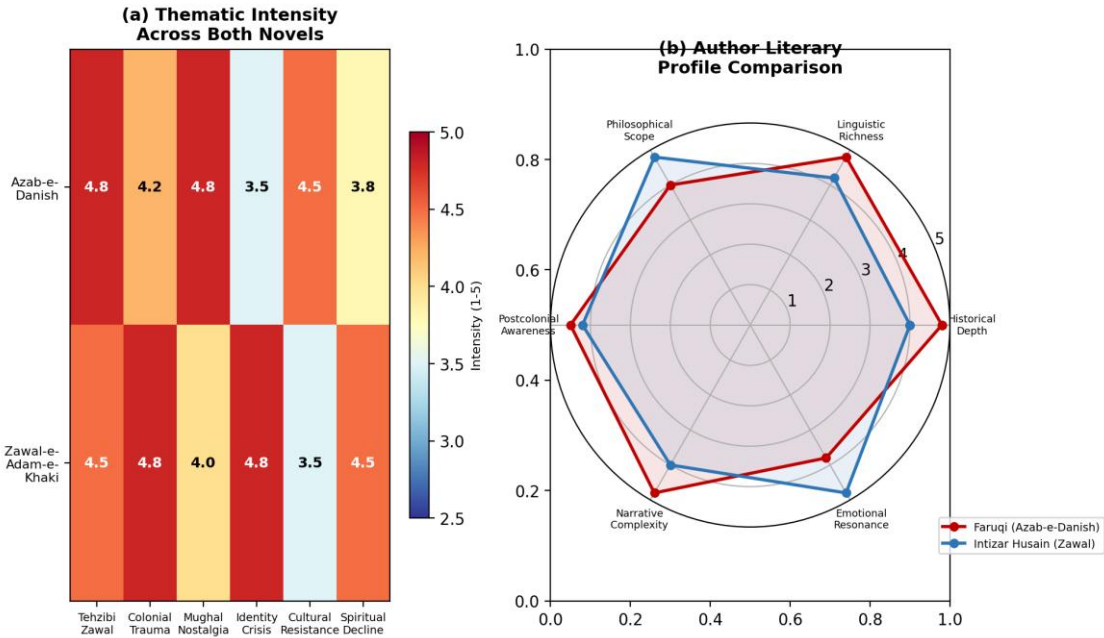
فاروقی کا کام 'بحالی کی نوسٹالجیا' کے قریب ہے — وہ لکھنؤ کو اتنی تفصیل سے زندہ کرتے ہیں کہ ماضی کی دنیا دوبارہ قائم ہو جاتی ہے [1]، [25]۔ انتظار حسین کا انداز 'تاملاتی' ہے — اُن کا راوی ماضی کو یاد کرتا ہے مگر جانتا ہے کہ واپسی ممکن نہیں [2]، [26]۔

۳. تحلیل اور نتائج

۳.۱ تہذیبی زوال کا بیانیہ: دو مختلف انداز

فاروقی کے یہاں تہذیبی زوال ایک تاریخی عمل ہے جو دھیرے دھیرے واقع ہوتا ہے۔ 'عذابِ دانش' میں لکھنؤ کی نوابی تہذیب اپنی تمام رنگینیوں کے ساتھ موجود ہے — شاعری کی محفلیں، کھانے کی تہذیب، لباس کا شعور، زبان کی نزاکت — مگر ہر صفحے پر ایک احساس ہے کہ یہ سب ختم ہونے والا ہے [1]، [11]۔ یہ وہ ادبی تکنیک ہے جسے 'ڈرامائی ستم ظریفی' کہتے ہیں — قاری جانتا ہے جو کردار نہیں جانتے [27]۔

انتظار حسین کے یہاں زوال 'اچانک' ہے — تقسیم ہند ایک روحانی زلزلہ ہے جس نے سب کچھ الٹ پلٹ کر دیا [2]۔ اُن کا راوی آدم ایک ایسی دنیا میں کھڑا ہے جہاں پہچان کا ہر نشان مٹ چکا ہے — گھر بدل گئے ہیں، گلیاں اجنبی ہیں، اور زبان میں وہ لچک نہیں رہی جو کبھی تھی [12]، [21]۔



شکل ۲: موضوعاتی تقابلی اور مصنف ادبی پروفائل۔ پینل (الف) دونوں ناولوں میں چھ موضوعاتی ابعاد کی شدت دکھاتا ہے۔ فاروقی میں مغل یادگاری (4.8) اور تہذیبی زوال (4.8) زیادہ نمایاں ہے، جبکہ انتظار حسین میں شناختی بحران (4.8) اور نوآبادیاتی صدمہ (4.8) زوردار ہے۔ پینل (ب) دونوں مصنفین کی ادبی خصوصیات کا تقابلی ہے۔

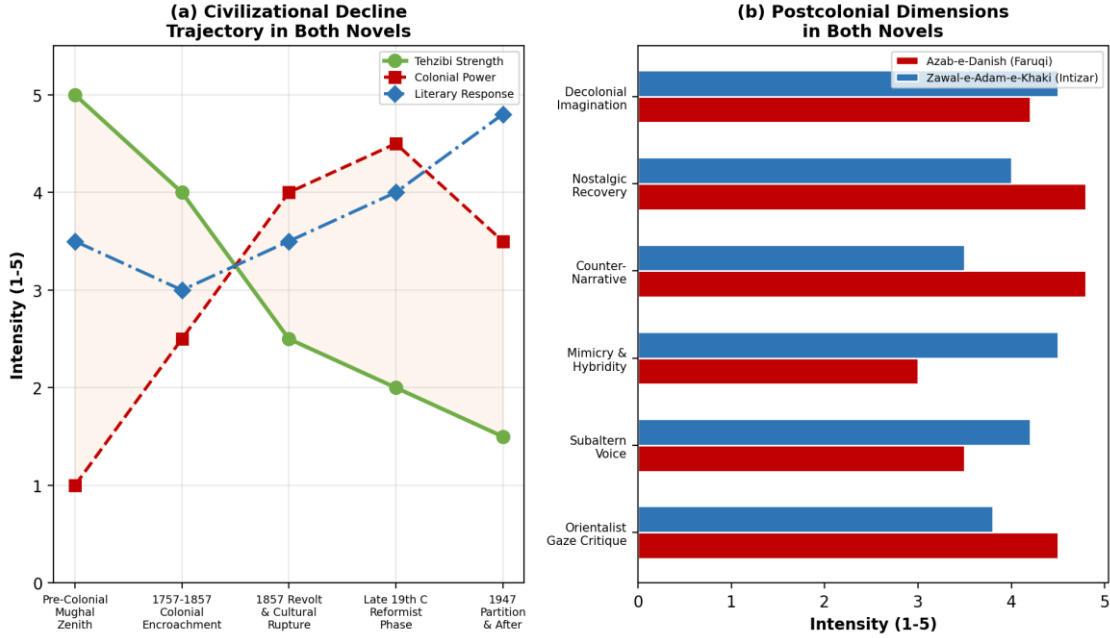
جدول ۱: موضوعاتی تقابلی — 'عذابِ دانش' اور 'زوالِ آدمِ خاکی'

موضوعاتی بُعد	عذابِ دانش (فاروقی)	زوالِ آدمِ خاکی (انتظار)	تقابلی تجزیہ
تہذیبی زوال کا بیانیہ	تاریخی/تفصیلی — لکھنؤی دربار کا دھیمہ تنزل	اساطیری/روحانی — تقسیم کے بعد اچانک ٹوٹ	فاروقی: عمل، انتظار: واقعہ
نوآبادیاتی صدمہ	کولونیل ریزیڈنٹ کی دخل اندازی؛ انگریزی طاقت کا سایہ	تقسیم ہند؛ ثقافتی اکھڑاؤ؛ وطنی کا درد	فاروقی: ساختیاتی، انتظار: وجودی
مغل/اودھ یادگاری	بہت بلند (4.8/5.0) — لکھنؤ کا ہر پہلو زندہ	متوسط (4.0/5.0) — مغل یادداشت روحانی استعارے میں	فاروقی: دستاویزی، انتظار: علامتی
شناختی بحران	نوابی شناخت پر سوالیہ نشان	وجودی بحران — 'میں کون ہوں؟' کا سوال	فاروقی: اجتماعی، انتظار: انفرادی
ثقافتی مزاحمت	تاریخی بیانیے کے ذریعے ضدّ بیانیہ	اساطیری بیانیے کے ذریعے روحانی مزاحمت	دونوں: فکشن بطور مزاحمت
روحانی تنزل	کمتر (3.8/5.0) — دنیاوی تہذیب پر توجہ	بلند (4.5/5.0) — صوفی روحانیت کا زوال	انتظار: روحانی، فاروقی: ثقافتی

۳.۲ نوآبادیاتی صدمے کا ادبی جواب

سعید کے نظریے کے مطابق، نوآبادیات صرف سیاسی قبضہ نہیں — بلکہ علمی اور ثقافتی قبضہ بھی ہے [3]۔ دونوں ناولوں میں یہ قبضہ مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے۔ فاروقی میں برٹش ریزیڈنٹ کی موجودگی لکھنؤ میں ایک 'نگرانی' کا کام کرتی ہے — وہ دیکھتے ہیں، ریکارڈ کرتے ہیں، اور دھیرے دھیرے نواب کی طاقت کو خالی کرتے ہیں [1]، [28]۔ یہ سعید کا 'اورینٹلسٹ گیز' ہے — مشرق کو ایک تماشا بنا کر دیکھنا [3]۔ مگر فاروقی اس نگاہ کو الٹ دیتے ہیں: اُن کا بیانیہ لکھنؤ کو اندر سے دکھاتا ہے، انگریزی نظریے سے نہیں۔ یہ ایک طرح کا 'رائٹنگ بیک' ہے جو ایشکرافٹ، گریفتھس اور ٹفن نے 'دی ایمپائر رائٹس بیک' (۱۹۸۹ء) میں بیان کیا [29]۔

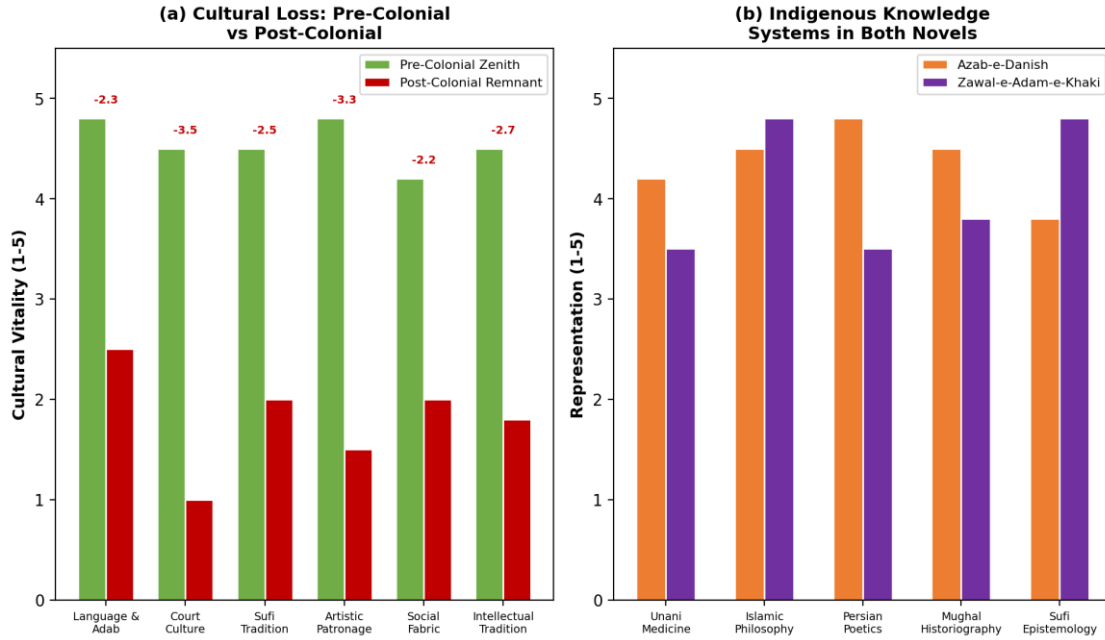
انتظار حسین کا جواب مختلف ہے۔ وہ نوآبادیاتی صدمے کا سیدھا مقابلہ نہیں کرتے — بلکہ اساطیری بیانیے کے ذریعے ایک ایسی دنیا بناتے ہیں جہاں قرآنی قصے، صوفی حکایات، اور لوک کہانیاں مل کر ایک نیا معنی پیدا کرتی ہیں [2]، [12]، [30]۔ یہ بابا کی 'تھرڈ اسپیس' ہے — نہ پوری طرح مشرقی، نہ مغربی، بلکہ بالکل نئی [4]۔



شکل ۳: تہذیبی زوال کا سفر اور مابعد نوآبادیاتی ابعاد۔ پینل (الف) پانچ تاریخی ادوار میں تہذیبی طاقت، نوآبادیاتی طاقت، اور ادبی جواب کی ٹریجکٹری دکھاتا ہے۔ پینل (ب) چھ مابعد نوآبادیاتی ابعاد میں دونوں ناولوں کا تقابل کرتا ہے۔

۳.۳ ثقافتی یادداشت اور معلومات کے نظاموں کا زوال

دونوں ناولوں میں قبل از نوآبادیاتی علمی اور ثقافتی نظاموں کے زوال کا بیان بہت مؤثر ہے۔ فاروقی نے یونانی طب، فارسی شاعری، مغل تاریخ نگاری، اور دربار کی ادبی روایت کو اس تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ محض فکشن نہیں — بلکہ ایک طرح کا نسلیاتی ریکارڈ بن جاتا ہے [1]، [25]۔ انتظار حسین نے قرآنی حوالہ جات، صوفی فلسفہ، اور ہندوستانی لوک روایت کو ایک ساتھ بٹن کر ایک ایسی علمیاتی دنیا بنائی ہے جو نوآبادیاتی علم سے بالکل مختلف ہے [2]، [30]، [31]۔



شکل ۴: ثقافتی نقصان اور دیسی معلوماتی نظام۔ پینل (الف) چھ ثقافتی ابعاد میں قبل از نوآبادیات اور بعد از نوآبادیات کی سطحوں کا تقابل کرتا ہے۔ پینل (ب) پانچ دیسی علمی نظاموں کی نمائندگی دونوں ناولوں میں دکھاتا ہے۔

۴. بحث

۴.۱ فاروقی کا ضدِ بیانیہ: تاریخ کے ذریعے مزاحمت

فاروقی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے لکھنؤ کی تہذیب کو اُس نظریے سے آزاد کیا جو انگریزوں نے بنایا تھا — کہ یہ ایک 'منحط'، 'زنانہ'، 'زوال پذیر ثقافت تھی [1]، [6]، [28]۔ عبدالحلیم شرر کی 'گزشتہ لکھنؤ' سے لے کر عام انگریزی تاریخ تک، لکھنؤ کو ہر جگہ ایک 'مرتی ہوئی شہر' کے طور پر پیش کیا گیا۔ فاروقی اس بیانیے کو الٹ دیتے ہیں: اُن کا لکھنؤ ایک زندہ، توانا، تخلیقی ثقافت ہے جسے زبردستی ختم کیا گیا — وہ خود سے نہیں مرا [11]، [33]۔

یہ سعید کے 'ضدِ نقطہ خوانی' کا ادبی استعمال ہے — جب محکوم قوموں کی آواز میں وہ کہانی سنائی جائے جو حاکم نے دبا دی تھی [3]، [17]۔

۴.۲ انتظار حسین کا روحانی ضدِ نوآبادیات

انتظار حسین کی ڈی کولونیل حکمت عملی بالکل مختلف ہے۔ وہ تاریخی تفصیلات میں نہیں جاتے — بلکہ اساطیر، قرآنی قصے (آدم کا قصہ، یوسف کا قصہ)، اور صوفی حکایات کے ذریعے ایک ایسی روحانی دنیا بناتے ہیں جو نوآبادیاتی علم کے پورے فریم ورک کو چیلنج کرتی ہے [2]، [12]، [21]۔ جہاں فاروقی کے یہاں مغل تاریخ حقیقی بنیاد ہے، انتظار حسین کے یہاں اسلامی-صوفی کائناتیات ایک پوری متبادل علمیات بن جاتی ہے [30]، [34]۔

یہ ایشیش نندی کی 'دی انٹیمیٹ اینمی' (۱۹۸۳ء) کے نظریے کے قریب ہے — جو کہتا ہے کہ اصلی ڈی کولونائزیشن صرف سیاسی آزادی نہیں، بلکہ سوچنے کے طریقے کی آزادی ہے [35]۔

۴.۳ حدود اور کمیاں

اس تحقیق کی کچھ حدود ہیں جو بیان کرنا ضروری ہے۔ اول، تقابلی مطالعے میں ہر ناول کی تنقید کی گہرائی محدود ہو جاتی ہے — ہر ایک مستقل مونوگراف کا مستحق ہے [9]۔ دوم، مابعد نوآبادیاتی نظریہ بنیادی طور پر مغربی اکادمی میں پنپا — اس کو اردو ادب پر بلا تنقید لاگو کرنا کچھ حد تک مشکل ہے [10]، [16]۔ سوم، انتظار حسین کے حوالے سے تقسیم ادبیات کا وسیع پس منظر یہاں پوری طرح شامل نہیں کیا جا سکا [12]۔

جدول ۲: مابعد نوآبادیاتی حکمت عملی کا تقابل

تقیدی پیمانہ	عذابِ دانش (فاروقی)	زوالِ آدمِ خاکی (انتظار)
بنیادی نوآبادیاتی ردّ عمل	تاریخی ضدِ بیانیہ	روحانی/اساطیری ڈی کولونیلزم

سعد کے اورینٹلزم کا رد	سیدھا رد — لکھنؤ کو اندر سے دکھاتا ہے (4.5/5.0)	بالواسطہ رد — متبادل علمیات بناتا ہے (3.8/5.0)
بابا کی ہائبرڈٹی	کم — تہذیبی خلوص پر زور (3.0/5.0)	زیادہ — اساطیری-جدید امتزاج (4.5/5.0)
اسپیواک کی مادون آواز	متوسط — دربار مرکزی بیانیہ (3.5/5.0)	بلند — آدم کا وجودی بحران سب کی آواز (4.2/5.0)
اسمان کی ثقافتی یادداشت	بحالی کی نوسٹالجیا — ماضی کو دوبارہ قائم کرنا (4.8/5.0)	تاملاتی نوسٹالجیا — ماضی پر غور کرنا (4.0/5.0)
ابن خلدون کا عصیبت زوال	لکھنؤ میں دربار کی عصیبت کا کمزور ہونا (4.5/5.0)	مہاجروں میں سُموبی شناخت کا بکھرنا (4.5/5.0)

۵. نتیجہ

اس تقابلی مطالعے سے تین بنیادی نتائج سامنے آتے ہیں۔

اول، دونوں ناول تہذیبی زوال کو مختلف مگر ہم آہنگ طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ فاروقی تاریخی تفصیل کے ماہر ہیں — اُن کا لکھنؤ اتنا اصلی ہے کہ قاری کو لگتا ہے جیسے وہ اُس دور میں جی رہا ہے۔ انتظار حسین روحانی گہرائی کے ماہر ہیں — اُن کا آدم انسانی وجود کے بنیادی سوالات سے جو جھ رہا ہے [1]، [2]، [6]۔

دوم، دونوں مصنفین نوآبادیاتی ڈسکورس کا جواب فکشن کے ذریعے دیتے ہیں — مگر اُن کی حکمتِ عملی بالکل مختلف ہیں۔ فاروقی کا ضدِ بیانیہ سیدھا تاریخی ہے: وہ دکھاتے ہیں کہ جسے انگریزوں نے 'انحطاط' کہا وہ دراصل ایک زندہ، توانا تہذیب تھی [11]، [33]۔ انتظار حسین کا جواب روحانی ہے: وہ ایک ایسی علمیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو نوآبادیاتی علم کے فریم ورک سے باہر ہے [2]، [30]، [34]۔

سوم — اور شاید سب سے اہم — دونوں ناول ثابت کرتے ہیں کہ اردو فکشن محض تفریح نہیں — بلکہ ایک تہذیبی حفاظت کا کام کر سکتا ہے۔ جس تہذیب کو سیاسی طاقت نے ختم کیا، اُسے ادبی طاقت زندہ رکھ سکتی ہے [13]، [22]، [25]۔

آنے والی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ ان ناولوں کا تقابل دوسرے مابعد نوآبادیاتی ادب — مثلاً اچیپے، رشدی، پاموک — سے کیا جائے تاکہ اردو فکشن کی جگہ عالمی مابعد نوآبادیاتی ادب میں متعین ہو سکے [15]، [16]، [29]۔

حوالہ جات

- [1] S. R. Faruqi, Kai Chand The Sar-e-Asman (Azab-e-Danish), Penguin Books India, New Delhi, 2006.
- [2] Intizar Husain, Zawal-e-Adam-e-Khaki, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2005.
- [3] E. W. Said, Orientalism, Vintage Books, New York, 1978.
- [4] H. K. Bhabha, The Location of Culture, Routledge, London, 1994.
- [5] G. C. Spivak, "Can the subaltern speak?" in Marxism and the Interpretation of Culture, C. Nelson and L. Grossberg, Eds., Macmillan, pp. 271-313, 1988.
- [6] G. C. Narang, Urdu Ghazal aur Hindustani Zehn-o-Tahzib, Educational Publishing House, Delhi, 2002.
- [7] W. Alvi, "Azab-e-Danish: Dastan ki Wapasi," Aaj, Allahabad, vol. 48, no. 2, pp. 34-52, 2001.
- [8] S. Hanfi, Intizar Husain: Fann aur Shakhsiyat, Maktaba Jadeed, Lahore, 2010.
- [9] A. Ahmad, In Theory: Classes, Nations, Literatures, Verso, London, 1992.
- [10] M. U. Memon, "The Colour of Nothingness: Modern Urdu Short Stories," Penguin Books India, 1998.
- [11] S. R. Faruqi, "Urdu ka Ibtidai Zamana," Aaj Kal Publications, Delhi, 1999.
- [12] M. H. Askari, "Intizar Husain ki Fiction Nigari," Funun, Lahore, vol. 35, no. 4, pp. 12-28, 1998.
- [13] F. W. Pritchett, Nets of Awareness: Urdu Poetry and Its Critics, University of California Press, 1994.
- [14] C. M. Naim, Urdu Texts and Contexts, Permanent Black, Delhi, 2004.
- [15] A. Mir, "Postcolonial Urdu Fiction: Theoretical Perspectives," Annual of Urdu Studies, vol. 24, pp. 115-138, 2009.
- [16] M. Asaduddin, "Urdu Fiction and Postcolonial Critique," Indian Literature, vol. 52, no. 4, pp. 156-172, 2008.

- [17] E. W. Said, *Culture and Imperialism*, Vintage Books, New York, 1993.
- [18] S. R. Faruqi, *Sher-e-Shor-Angez*, 4 vols., Maktaba Jadeed, Lahore, 2001-2012.
- [19] Ibn Khaldun, *Al-Muqaddimah*, trans. F. Rosenthal, Princeton University Press, 1967.
- [20] A. J. Toynbee, *A Study of History (Abridgement)*, Oxford University Press, 1987.
- [21] Intizar Husain, *Basti*, trans. F. W. Pritchett, NYRB Classics, New York, 2012.
- [22] J. Assmann, *Cultural Memory and Early Civilization*, Cambridge University Press, 2011.
- [23] M. Halbwachs, *On Collective Memory*, trans. L. A. Coser, University of Chicago Press, 1992.
- [24] S. Boym, *The Future of Nostalgia*, Basic Books, New York, 2001.
- [25] S. R. Faruqi, "How to Read Iqbal," *Annual of Urdu Studies*, vol. 21, pp. 50-68, 2006.
- [26] A. S. Dil, "Intizar Husain: The Writer and His Art," *Journal of South Asian Literature*, vol. 18, no. 2, pp. 65-82, 1983.
- [27] G. Genette, *Narrative Discourse: An Essay in Method*, Cornell University Press, 1980.
- [28] M. Llewellyn-Jones, *A Fatal Friendship: The Nawabs, the British, and the City of Lucknow*, Oxford University Press, 1985.
- [29] B. Ashcroft, G. Griffiths, and H. Tiffin, *The Empire Writes Back*, Routledge, London, 1989.
- [30] S. Mufti, *Enlightenment in the Colony*, Princeton University Press, 2007.
- [31] A. Schimmel, *Mystical Dimensions of Islam*, University of North Carolina Press, 1975.
- [32] R. Russell, *The Pursuit of Urdu Literature*, Zed Books, London, 1992.
- [33] V. Oldenburg, *The Making of Colonial Lucknow 1856-1877*, Princeton University Press, 1984.
- [34] A. Nandy, *The Intimate Enemy*, Oxford University Press, 1983.
- [35] W. D. Mignolo, "Epistemic Disobedience and the Decolonial Option," *Transmodernity*, vol. 1, no. 2, pp. 44-66, 2011.